DEPARTMENT OF URDU

Langat Singh College, Muzaffarpur

NAAC Grade – 'A'

(A Constituent unit of B.R.A. Bihar University, Muzaffarpur)

DR. MUSTAFIZ AHAD
Assistant Professor
Mob- 9955722260, 9472079131

Email:- ahadmustafiz@gmail.com
lscollegeprincipal@gmail.com

Ref. No:..................... Date :.........................

B.A. Urdu (Hons) Part I

Paper I

Topic :- "Allama Eqbal ke chand Eshaar ki Tashreeh."

B.A. Urdu (Hons)
(1) Part I paper II

ڈاکٹر مستفیض احد

علامہ اقبال کے چند اشعار کی تشریح

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بت کدۂ صفات میں

الفاظ :

نوا ۔ یعنی آواز، آہ و فریاد، نالہ و فریاد

شوق ۔ یعنی، اشتیاق، خواہش،

یہاں شاعر محبوب کی جدائی میں ملاقات کی وجہ کر جو آہ و فریاد کر رہا ہے اسے نوائے شوق کہا ہے۔ عاشق جب معشوق کو یاد کرتا ہے تو اسے اس کے فراق کا احساس ہوتا ہے اور یہ احساس آہ و فریاد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

شور ۔ شدت، دھوم، ہنگامہ

حریم ۔ گھر کی چہار دیواری، خانہ کعبہ کی بیرونی دیوار

ذات ۔ حقیقت، مادہ، روح، بدن، اصلیت

یہاں شورِ حریم ذات سے مراد ہے دل و دماغ کے اندر ہنگامہ۔

غلغلہ ۔ یعنی ہنگامہ، دھوم، شور و غل ۔ یہاں اندرونی ہنگامہ سے باہر بھی ہنگامہ مراد ہے۔

الاماں ۔ امن، شانتی

بت کدہ ۔ بت رکھنے کی جگہ

صفات ۔ صفت کی جمع، اوصاف، خوبیاں

شعر کا مطلب : شاعر کا مقصود یہ ہے کہ میرے اشتیاق سے حریم ذات میں جو ہنگامہ ہے ۔ اس سے بت کدۂ صفات میں بھی الاماں الاماں کا شور برپا ہو گیا ہے۔

پی ٹی او

شرح! شاعر کے ذہنی ادراک کا مشاہدہ تو ممکن نہیں پھر بھی شاعر کے خیال تک پہنچنے کی کوشش ممکن ہے۔ یہاں "میری کواہے شوق سے" اگر شاعر کی جدائی مراد لیجائے اور "شور حریم ذات" سے شاعر کا اندرونی جذبہ اور ان کی کیفیت مراد لیجائے تو وضاحت یوں ہوگا کہ میری جدائی کے آہ و فریاد سے میرے اندر ایک اضطرابی کیفیت ہے، ایک ہیجان ہے۔ اور یہ ہیجان اسقدر شور و غوغا کر رہا ہے کہ ہمارے اردگرد بھی الامان الامان کا شور برپا ہے۔ گویا جب کواہے شوق سے حریم ذات میں شور برپا ہوگی تو قدرتی طور پر ہر شخص اس قیاس میں مبتلا ہوگا کہ شاید کسی غریب "عاشق" ذات، یا معشوق حقیقی سے حاصل ہوجانگا یا کم از کم وصال کا امکان ضرور پیدا ہو گیا ہے۔

اگر "میری کواہے شوق سے" مراد خدا اور بندے کے درمیان جو محبت ہے وہ مراد لیجائے تو "شور حریم ذات" کا معنی یوں ہوگا کہ جہاں یہاں نظام میں تخلیقی کا آنا، مثلاً عناصر خمسہ کا خاک سے آشنا ہونا، حوادث سے ہستی کے ہر کا آشنا ہونا، گویا دنیا کے اندر ہمہ وقت کون و فساد کا عمل جاری رہتا ہے جس سے بشری کا نظام قائم ہوتے رہتا ہے۔ غرض یہ کہ خدائے وحدہ لاشریک نے دنیا اور دنیا کے نظام کو پیدا کیا اور اس درمیان انسان کو اشرف المخلوقات بنایا تو یہاں منشاء الہٰی کے پیش نظر یہاں لمحہ لمحہ تجسس سے خود بشر کی طرف زندگی کا سفر ہے۔ شاعر اشارۃً کہ شاعر اسے شور حریم اور غلغلہ ہائے الامان کہہ کر مفہوم کو وسیع کر دیا ہے۔

دراصل علامہ اقبال کے یہاں بندہ، خدا اور دنیا کا تصور یہ ہے کہ اللہ پاک نے دنیا کو آباد کیا۔ بندے کو پیدا کیا اور اسے ایک نظام دیا جس کے تحت بندہ اپنی زندگی گزارے۔ لہٰذا اندازِ پیشکش کی بنیاد پر غور کرنے سے معلوم ہوگا، کہ ذات کی چہار دیواری انسان کا جسم ہے یا پورا کائنات ہے۔ جہاں اصل میں انسان آباد ہے۔ جسم کے اندر کا جوہر روح جب بیقرار ہوتا ہے۔ خدا کی جستجو میں سرگرداں ہوتا، اللہ پاک الموت کی طلب ہوتی ہے تو جسم کے اندر الامان الامان کا شور برپا ہوتا ہے۔ کائنات کے اندر کا انسان بھی جب خدائے وحدہ

لا شریک ہے اقرار باللسان، تصدیق بالقلب کرتا ہے تو مردہ جسم و جان میں بھی الامان الامان یعنی سکون و سرور کی گونج پیدا ہو جاتا ہے۔ انسان کو ہر حال میں خدا اور اللہ زبان کو بھی اپنا عمل بنانا چاہیے۔

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

حل لغات:

فاش - یعنی ظاہر ہونا، آشکار ہونا، کھلنا

راز - یعنی بھید، بات۔

اس شعر کا اسلوب بیان میں خلاف توقع بے ادبی پائی جاتی ہے حالانکہ شاعر کا مزید یک احساس کا التزام ہے۔ یعنی خدا سے مخاطب ہونا۔ ایک انسان کیلئے یہ کہاں ممکن کہ اللہ سبحانہ کے رو برو اس طرح پیش آئے یا اس طرح سے شکایت ہو لیکن شاعرانہ طور پر اس کا التزام ہے اور اقبال کے یہاں بال جبریل کے علاوہ تصانیف میں بھی خدا، فرشتہ، شیطان، شجر، حجر اور دیگر مادی یا غیر مادی اشیاء سے بھی ہمکلام کا انداز پایا جاتا ہے۔

تشریح: اقبال اس شعر میں رب اللہ پاک سے مخاطب ہے کہ مجھے کائنات کا اندر پیدا کر کے تو نے راز کو فاش کر دیا ہے۔ انسان کے انسان خدا کا راز ہے۔ انسان کے گوشت اور روح کا اتصال سے انسان کا وجود ہے۔ اتفاق سے جانور میں بھی جسم اور روح کا اتصال پایا جاتا ہے لیکن انسان کو جو برتری و فضیلت کی بخشش ہوئی ہے وہ انسان میں وہ کون سی بات ہے جس سے اقبال باخبر کر رہا ہے۔ دراصل یہ خودی ہے۔ یہ وہ جوہر ہے جس کی بدولت انسان میں شعور کے علاوہ شعور ذات بھی پایا جاتا ہے۔ اسی کو اقبال نے خدا کا راز قرار دیا ہے۔

RIF.O

دراصل علامہ اقبال اس شعر میں کہنا چاہتا ہے کہ کائنات میں انسان کی قدر و منزلت خدا کو معلوم ہے۔ اس لئے کہ شعور ذات انا کو ممیز کرتا ہے گویا انسانی تاریخ جب سے شروع ہوئی ہے ایک طویل سفر کا اعادہ ہوتا ہے جہاں انسانیت کی تکمیل نا ممکن ہوتی ہے۔ گویا اقبال کی نگاہ میں انسان کی پیدائش نے خدا کے اپنے وجود کو آشکار کر دیا ہے۔

اگر کج رو ہیں انجم، آسماں تیرا ہے یا میرا
مجھے فکر جہاں کیوں ہو، جہاں تیرا ہے یا میرا؟

الفاظ:۔

کج رو — یعنی، ٹیڑھی چال چلنے والا، نا ہنجار۔ مراد ہے نافرمانی سے

انجم — یعنی ستارہ اسی مناسبت سے آسمان لایا گیا ہے۔ یہاں مراد ہے انسان سے۔ اس طرح کج رو ہے انجم سے نافرمانِ انسان، یا انسان کی نافرمانی۔

مطلب:۔ ستارے اگر ٹیڑھی چال یا غلط انداز سے چل رہے ہیں تو اس میں مجھے فکر کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ جہاں کس نے پیدا کیا ہے میرا یا تیرا

تشریح:۔ یہ درست ہے کہ زمین اور آسمان اور اس کے درمیان جو کچھ بھی ہے سب ذات اقدس کی ہے۔ زندگی کو سیاہ و سفید پر حکومت اللہ رب العزت کی ہے۔ اس تعلق سے شاعر مشرق نے بطور شاعرانہ خدائے وحدہ لاشریک سے شوخی کیا ہے کہ اگر زمین و آسمان اور اس درمیان شے ہوتے ستارے کج رو ہیں تو مجھے فکر جہاں کیوں ہو؟ ملکیت اور حکومت تو آپ کی ہے مسبب الاسباب تو آپ ہیں۔ اشارہ ہے انسانی زندگی کی طرف۔ اس خوبصورت دنیا میں انسان کی ضرورت کی تکمیل کے لئے سب کچھ رکھا اور انسان کو اپنی اطاعت پر رکھا ہے۔ لیکن حضرت انسان اس سے بیگانہ ہو کر خرافات میں پڑا ہے۔

محمد بھی تیرا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرف شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

لغات:

'حرف شیریں' یعنی عمدہ حرف، یہاں کنایہ ہے انسانی تقاضا، جذبہ عشق یا انسان کی بے اختیاری سے۔

مطلب: بظاہر شاعر کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے اے خدا سب تیرا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ محمد بھی، جبریل بھی اور قرآن شریف بھی آپ ہی سے متعلق ہیں، تو یہ حرف شیریں، انسانی دل لذت مزاجی، جذبۂ شوق و مستی وغیرہ کشش ہر کسی کی فطرت میں ودیعت کی ہے خدا۔ اس میں شک نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل اور قرآن حکیم یہ تینوں تیرے ترجمان ہیں یعنی تیری رضا اہل دنیا پر ظاہر کرتے ہیں چنانچہ تیری رضا شریعت یا دستور الٰہی جو کہ قرآن حکیم کی صورت میں ہے کار دو عالم ہو سکتے ہیں بنی آدم کیلئے نازل فرمائی ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ لیکن حرف شیریں یعنی یہ جذبہ عشق و محبت جو انسان کے قلب میں موجزن ہے یہ بھی تو تیرا ہی ترجمان ہے یعنی یہ بھی تو تیرا ہی پیدا کردہ ہے اور ہم اسی جذبہ کی بنا پر بعض اوقات تیرے قوانین کو توڑ دیتے ہیں پس تو ہم پر نگاہ کرم فرما اور ہماری خطاؤں کو معاف کر دے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ حرف شیریں یعنی جذبۂ عشق کی غلط پیروکاری سے ہی دنیا کے نظام میں خلل واقع ہے۔ کیا یہ حرف شیریں بھی تیرا ہی ہے؟ شاعر کا یہاں سوال جرأتانہ انداز بھی ہے اور سوالیہ انداز کلام بھی۔

M Jahad
16/7/20